جلد۱۰شمارہ۱۶،۲۰۲۳

Article

Post Colonialism discourse and novel “Kai Chand thay Sar e Aasman”

مابعد نو آبادیاتی مخاطبہ اور ناول "کئی چاند تھے سر آسماں"

Yousaf Noon*[1], Muhammad Qasim[2],Gulzar Ahmad[3]

[1] Lecturer, Department of Urdu & Iqbaliyat, Islamia University Bahawalpur, Rahim Yar Khan Campus

[2] M.Phil Scholar, Department of Urdu & Iqbaliyat, Islamia University Bahawalpur, Rahim Yar Khan Campus

[3] M.Phil Scholar, Department of Urdu & Iqbaliyat, Islamia University Bahawalpur, Rahim Yar Khan Campus

*Correspondence: yousuf.noon.786@gmail.com

[1] یوسف نون، [2] محمد قاسم، [3] گلزار احمد

[1] لیکچرار، شعبہ اردوو اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، رحیم یار خان کیمپس، [2] اسکالر، ایم فل اردو، شعبہ اردوو اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، رحیم یار خان کیمپس، [3] اسکالر، ایم فل اردو، شعبہ اردوو اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، رحیم یار خان کیمپس،

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:15-06-2023
Accepted:25-06-2023
Online:30-06-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: The novel of Shams-ur-Rehman Farooqi "Kayi Chand Thy Sare-Assmaah" depicts the culture of Hindu Muslim In the nineteenth Century, The focus of the article is on the occupation of sub continent by English imperialism. The character of the local resident Wazir Khanam, the attitude of colonizers and exploitation of the local residents are the main topics of the novel. Different instances have been added to explain post colonialism. The colonizers, by their civilization make the local residents mentally slave. They trap the local women and get access to their bodies. Wazir khanam is the heroin of " Kayi Chand Thy Sare-Assmaah" Shams-ur-Rehman want to explain different aspects through the character of Wazir Khanam. They also used the local people and their resources to set industry and to strength their financial position in Britain.

Keywords: Postmodernism, imperialism, discourse, Civilization, colonialism, Shams-ur-Rehman Farooqi, Culture.

"کئی چاند تھے سر آسماں" شمس الرحمن فاروقی نے ناول کا عنوان احمد مشتاق کے شعر کے مصرع اولیٰ سے لیا ہے۔

"کئی چاند تھے سر آسماں" جو چمک چمک کے پلٹ گئے

نہ لہو مرے ہی جگر میں تھا، نہ تمہاری زلف سیاہ تھی

اکیسویں صدی میں لکھا گیا ہے یہ ناول جس کا انداز بیاں کلاسیکی ہے۔ ناول میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ہندوستان میں ہندو، مسلم تہذیب و ثقافت کو بھرپور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ "کئی چاند تھے سر آسماں" کو تاریخی، نیم تاریخی اور وزیر خانم کی ٹریجڈی کہا جا سکتا ہے۔ ناول کے ابتداء میں ڈاکٹر خلیل اصغر فاروقی جنہیں شجرہ نسب اکٹھے کرنے کا شوق ہے ملاقات لندن میں وسیم جعفر سے ہوتی ہے۔ ملاقات کے دوران پتہ چلتا ہے کہ وسیم جعفر وزیر خانم (عرف چھوٹی بیگم) کے پوتے ہیں۔ غدر کے وقت وزیر خانم کی ایک تصویر قلعہ میں تھی جب انگریزوں نے غدر کے دوران قلعے کو لوٹا تو وہ نایاب تصویر باقی خزانے کے ساتھ لندن منتقل کر دی گئی وسیم جعفر کیونکہ اپنے خاندان اور خاص طور پر وزیر خانم کے زندگی کے اصل حالات جاننے کی تگ و دو میں ہے۔ اس لئے برطانوی لائبریری تک پہنچ کر وہ تصویر چرا لیتے ہیں۔ مابعد نو آبادیاتی تناظر میں دیکھا جائے تو ہندوستان سے انگریزوں کے چلے جانے کے بعد بھی ہمیں ایک مقامی عورت کی تصویر حاصل کرنے کیلئے برطانوی حکومت کا مرہون منت ہونا پڑتا ہے۔ استعمار زدہ عورت کے کردار کی کھوج کیلئے انگریزوں کا محتاج ہونا پڑتا ہے جنہوں نے اپنی نو آبادیات قائم کر کے ہندوستان کو معاشی صنعتی اور سیاسی طور پر محکوم بنایا۔

شمس الرحمن فاروقی نے وزیر خانم کے کردار کے ذریعے مابعد نو آبادیاتی عناصر سے روشناس کروایا ہے۔ ناول ہندوستان کی تہذیب و معاشرت، ہندوستان میں انگریزوں کا عمل دخل کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ ناول بہت بڑے کینوس پر پھیلا ہے۔ اس کے کردار بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مخصوص اللہ شبیہ ساز کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مخصوص اللہ ہندل پرواگاؤں میں ایک ایسی شبیہ بناتا ہے۔ جو مہاراول گنجیدر کی بیٹی "من موہنی" کی ہو بہو تصویر لگتی ہے۔ جب اس کی خبر مہاروال تک پہنچتی ہے تو وہ اپنی بیٹی من موہنی کو ساتھ لے کر اسی گاؤں آتا ہے جب اسے وہ تصویر دکھائی جاتی ہے وہ اپنی بیٹی "من موہنی" کو قتل کر دیتا ہے۔ مخصوص اللہ گاؤں میں نہ تھا۔ گاؤں والوں کو علاقہ بدر کر دیا جاتا ہے۔

مخصوص اللہ کا سفر یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ جو پورے ناول پر چھایا رہتا ہے۔ مخصوص اللہ کشمیر کے علاقے بڈگام میں رہائش پذیر ہوتا ہے وہیں پر اس کی شادی سلیمہ سے ہوتی ہے۔ ایک بیٹا یحییٰ پیدا ہوتا ہے۔

کچھ عرصے بعد مخصوص اللہ وہی ''بنی ٹھنی'' کی تصویر کی یاد میں جنگل میں مردہ حالت میں ملتا ہے۔ یحییٰ کے جوان ہونے پر اس کی شادی کر دی جاتی ہے۔ یحییٰ کے ہاں دو بیٹوں کا جنم ہوتا ہے۔ محمد یعقوب بڑ گامی اور محمد داؤد بڑ گامی۔ دونوں کی پرورش یحییٰ بڑے ناز و نخرے سے کرتا ہے۔ کیونکہ یحییٰ ایک بہت بڑا تاجر تھا۔ کچھ عرصے بعد اچانک یحییٰ کی وفات ہوتی ہے اب دونوں بیٹے محمد یعقوب اور داؤد جوان ہیں۔ اپنا زیادہ وقت اپنی ماں کے ساتھ گزارتے ہیں۔ جلد ہی ان کی ماں بیمار ہو کر چل بستی ہے۔ موت سے پہلے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتیں ہیں کہ تمہارے باپ دادا کوئی عام شخص نہ تھے۔ ان کا اصل آبائی وطن راجھستان تھا۔ میرے مرنے کے بعد تم دونوں اپنے دادا کے وطن کی طرف ہجرت کر جانا۔ دونوں بھائی ماں کی نصیحت کے مطابق ہجرت کرتے ہیں سفر کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ ''رام پور'' گاؤں پہنچتے ہیں۔ وہاں کنوئیں پر جمیلہ اور حبیبہ نامی دو لڑکیوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ دونوں لڑکیاں پہلے ہی اپنے سوتیلے باپ کے ظلم و ستم سے تنگ تھیں۔

دونوں بھائی اس سوتیلے باپ کو پیسے دے کر لڑکیوں سے نکاح کر کے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ کچھ عرصے بعد محمد یعقوب اور جمیلہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے جس کا نام محمد یوسف رکھا گیا۔ کچھ عرصے بعد دونوں بھائی فرخ آباد انگریزوں کی فوج کے ساتھ تجارت کی غرض سے ساتھ روانہ ہوتے ہیں۔ انگریزوں اور مرہٹوں کی لڑائی میں پورا خاندان مارا جاتا ہے۔ ایک بیٹا محمد یوسف بچ جاتا ہے جسے ایک طوائف اکبری بائی اپنے ساتھ دہلی لے جاتی ہے۔ یوسف کی تعلیم و تربیت کرتی ہے۔ جوان ہونے پر اپنی بیٹی اصغری سے شادی کروا دیتی ہے۔ اور الگ مکان لے کر دیتی ہے ان کے ہاں تین بیٹیوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ ان میں بڑی بیٹی (انوری خانم)، منجھلی عمدہ خانم اور ''وزیر خانم عرف چھوٹی بیگم''۔ وزیر خانم ناول ''کئی چاند تھے سر آسماں'' کی ہیروئن ہیں جو پورے ناول پر چھائی ہوئی ہیں۔ وزیر خانم نے اپنے لڑکپن کا زمانہ اپنی نانی جو کہ ایک ڈومنی تھی ان کے ساتھ گزارا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے ۱۲ سال کی عمر میں ہی اپنے حسن و شباب کی پہچان ہو گئی۔

یہی دور ہندوستان میں انگریزوں کا نو آبادیاتی دور ہے جس میں وہ پورے ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کرتے جا رہے ہیں۔ مارسٹن بلیک کی وزیر خانم سے ملاقات ایک حادثے کے دوران جب وزیر خانم درگاہ سے اپنے باپ کے ساتھ واپس آ رہی ہوتی ہیں اور اچانک ان کی سواری کا پہیہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ہوا کے تیز جھونکے سے وزیر خانم کے چہرے کا پردہ اٹھ جاتا ہے تو مارسٹن بلیک وزیر خانم کے طلسم میں اس طرح گرفتار ہوتا ہے کہ وزیر خانم کو بغیر نکاح کے اور عیسائی رسم و رواج کے بغیر اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وزیر خانم کے باپ کی رضامندی کے ساتھ وزیر خانم بھی مارسٹن بلیک سے متاثر ہے۔ ایک ہندوستانی باپ کا اس طرح ایک انگریز کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ دینے کے پیچھے انگریز قوم کا ہندوستان پر سیاسی، معاشی اور تہذیبی اثر و رسوخ ہے۔ کیونکہ انگریز ہندوستان پر حاکم ہیں اس لیے مقامی باشندہ ان کے سامنے

بے بس نظر آتا ہے۔ مقامی باشندے کی سوچ استعمار کار کی سوچ کے تابع ہے۔ مقامی باشندے کے آگے انگریز کی تہذیب اور ثقافت ہی اعلیٰ وارفع ہے۔ جب ناول کو مابعد نوآبادیاتی تناظر میں دیکھتے ہیں کس طرح استعمار کار مقامی ثقافت اور سوچ کو اپنے قبضے میں کرتا ہے اور اپنے سیاسی مقاصد اور غلبہ حاصل کرتا ہے۔

> "مابعد نوآبادیاتی مطالعہ کسی متن یا فن پارے کی تفہیم کا طریقہ کار ہے۔ ایسا متن جو نوآبادیاتی تصور، اس کی قائم کردہ حکمت عملیوں، استعار کار کے تصور طاقت اور ان کے اذہان میں موجود نیٹو Native افراد کی مخصوص تشکیل شدہ تشبیہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر ضابطہ تحریر میں لایا گیا ہو"۔(۱)

وزیر خانم نوآبادیاتی ہندوستان کا ایسا کردار ہے جس سے مارسٹن بلیک محبت کے دعوے تو بڑے کرتا ہے لیکن اس کی محبت بھی اس کی سفید جلد کی طرح پھیکی ہے وہ اپنی نوآبادیاتی سوچ کے مطابق ہندوستانی ملازموں کو چور، نکمے، سست، جاہل کے خطابات سے نوازتا ہے مارسٹن بلیک خود کو اعلیٰ اور حاکم کے طور پر دیکھتا ہے۔ وہ ہندوستانی تہذیب اور ثقافت کو کم تر کہتا ہے۔ وہ مقامی باشندوں کو صرف اور صرف غلام ہی تصور کرتا ہے۔

وزیر خانم جو پہلے انگریزوں سے متاثر تھی اور اسکا خیال تھا کہ وہ میم صاحب کا درجہ حاصل کرلے گی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ اب نہ وہ انگریزی تہذیب معاشرت کا حصہ ہے اور نہ ہی ہندوستانی شرفاء میں اس کا کوئی مقام ہے۔ وزیر خانم، مارسٹن بلیک کی بیوی (جو کہ نام کی تھیں) چونکہ وہ ایک ہندوستانی مقامی عورت ہے اس لیے وہ کمتر ہے۔

> "انگریز دنیا بالکل مہربند اور اپنی جگہ پر تنہا اور پر اسرار تھی"۔(۲)

> نوآبادیاتی نظام میں یورپی شخص مقامی عورت کو ہر صورت بغیر پردے کے بغیر دیکھنا چاہتا ہے۔ فینن کہتا ہے "یورپی باشندوں کو یہ بات بڑی تکلیف دیتی ہے کہ ایک مقامی تو ہر چیز دیکھ سکتی ہے لیکن اسے خود کو چھپا رکھا ہے۔ اکثر یورپی باشندوں کو خواب میں بھی مقامی عورت نظر آتی ہے۔ اصل میں مقامی عورت سے اپنی جنسی تسکین چاہتا ہے"۔(۳)

مارسٹن بلیک جو کہ ہندوستان میں نوآباد کار ہے۔ مقامی عورت وزیر خانم کی خوبصورتی پر فدا ہے لیکن اپنے گھر میں وزیر خانم کو وہ مقام نہیں دیتا جو کہ ان کے ہاں عیسائی عورت کو دیا جاتا ہے۔ مارسٹن بلیک کے نزدیک ہندوستانی لوگ غیر مہذب ہیں وہ ہندوستان تہذیب

اور ثقافت کو برا سمجھتا ہے۔ شمس رحمن فاروقی کہتے ہیں ان کا مقصد ہندوستان میں صرف اور صرف ہندوستان کی دولت پر دسترس حاصل کرتا تھاہندوستان کو سیاسی معاشی اور صنعتی طور پر اپنے قبضے میں کر کے یہاں اپنی حکومت قائم کرنا تھا۔ اس سوچ کے تحت انگریزوں نے ہندوستان میں سازش کے ذریعے ہندوستانی ریاستوں کو ایک دوسرے سے لڑوا کر خود ہندوستان کے حاکم بن بیٹھے

مصحفی کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

”جوڑ توڑ آوے ہے کیا خوب نصاریٰ کے تئیں

فوج دشمن سے وہیں لیتے ہیں سر دار کو توڑ“(۴)

سفید جلد ان کے ہاں سب سے بڑی چیز تھی وہ ہندوستان کی مقامی عورتوں سے شادی بھی کرتے تو انہیں اپنی اونچی سوسائٹی سے دور ہی رکھتے ہندوستانی عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی انہیں بھی کبھی وہ یورپی عیسائی کے برابر درجہ نہیں دیا جاتا تھا۔مابعد نو یادیاتی مطالعہ میں اب بھی اگر دیکھا جائے تو نو آبادیاتی استعمار نے جو اعلیٰ سوسائٹی بنائی اسی کے تحت آج بھی اعلیٰ عہدیدار، لبرل کلاس، مڈل کلاس کے درجے میں بٹے ہوئے ہیں۔ انگریز نے جو اپنے سیاسی مقاصد کے تحت لوگوں کی درجہ بندی کی آج تک ہمارا معاشرہ اس کی لپیٹ میں ہے۔

کپلنگ Kippling نے ۱۸۹۹ء میں ”سفید آدمی کا بوجھ (White man's Burdern) “ اس نے اپنی نظم میں کہا تھا کہ غیر تہذیب یافتہ قوموں کو تہذیب سیکھانا”سفید اقوام پر ایک بوجھ ہے۔یورپی ہی اعلیٰ اور ارفع ہے یورپی کی تہذیب ہی اعلیٰ تہذیب ہے۔ ہنگٹن کا بھی یہی نظریہ ہے یورپ جو کہ اب ترقی کی تمام منزلوں کو طے کر چکا ہے اب مغربی، یورپی اقوام کا یہ فرض ہے ہ وہ مشرق کی غیر تربیت یافتہ اقوام پر حکومت کریں اور کام صرف اور صرف یورپ ہی سر انجام دے سکتا ہے۔

ایک حوالہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ مغرب تاریخی طور پر تاریخ کی پختگی کو پہنچ چکا ہے مشرقی ممالک اس تاریخی عمل سے ابھی تک نہیں گزرے اس لیے مشرقی ممالک خاص طور پر جہاں انگریزوں نے نو آبادیات قائم کیں انہیں مغرب کی نگرانی میں رہ کر کام کرنا ہو گا

ہندوستان میں برطانوی سامراج نے ہندوستان کو صنعتی اور معاشی طور پر مفلوج کر دیا اور تمام خام مال برطانیہ منتقل کرتے رہے۔ نو آبادکار دیسی باشندوں کو یہ احساس دلاتے رہے کہ ہندوستانیوں کی تہذیب، معاشرت، ان کا کلچر یہاں تک کہ ہندوستان کے لوگ بھی نیم وحشی ہیں۔ ان کے نو آبادیاتی مقاصد میں مقامی باشندوں کو یورپی روایات، یورپی تہذیب اور ثقافت ارفع اور اعلی ہے اس مقصد کے تحت نو آبادیات کے دور میں مقامی تہذیب کو مسخ کر کے پیش کیا گیا۔

"ہندوستانیوں نے اعلیٰ تہذیب پیدا ہی نہیں کی۔ ہنگٹن یہاں تک کہتا ہے تمام اقوام میں مغرب ہی ترقی یافتہ اور تہذیب یافتہ ہے۔ اسی تہذیبی مشن کو پورا کرنے کی ذمہ داری بھی مغرب پر ہے۔ اس لیے جو ترقی یافتہ یورپی اقوام ہیں ان کی ذمہ داری ہے نو آبادیات میں جو پوشیدہ ذرائع ہیں ان کو صرف مغربی اقوام ہی درست طریقے سے استعمال کر سکتے ہیں۔"(۵)

مقامی باشندہ جب خود کو نو آباد کار جیسا بنانا چاہتا ہے تو وہ اس کوشش میں خود کو بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ جیسے وزیر خانم (مارسٹن بلیک سے) بلکہ یورپی ثقافت اور حکمران جو ہندوستان کے اب مالک ہیں سے متاثر ہو کر جب مارسٹن بلیک کی دنیا میں جاتی ہے تو اسے عید کے دن بھی ہندو مسلم گھرانوں کا کوئی فرد مبارکباد دینے تک نہ آیا۔ وزیر خانم اپنی ہی معاشرے میں اپنی تہذیب و ثقافت سے کٹ کر رہ جاتی ہے۔ نو آباد کار کا مقصد صرف مقامی باشندے کو محکوم بنانا اور ایسی "اساطیری" تصویر مقامی باشندے کو دکھاتا ہے کہ نو آبادکاری کی ثقافت کو اعلیٰ بر تر ماننے لگتا ہے۔ شمس رحمن فاروقی نے اکیسویں صدی میں "کئی چاند تھے سر آسماں" میں ان نو آبادیاتی حقائق کو دکھایا ہے۔

جن میں آقا اور غلام کبھی برابر نہیں ہو سکتے جب ہم اس کا مابعد نو آبادیاتی حوالے سے مطالعہ کرتے ہیں تو آج ہمارے سامنے برطانوی سامراج کی وہ تصویر آتی ہے جس کا اصل چہرہ وہ ہے جو جاگیر داری نظام انگریزوں نے اپنے مقاصد کے تحت رائج کیا آج بھی ہمارے معاشرے میں وہی سر داری، قبائلی نظام کسی نہ شکل میں آج بھی موجود ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج بھی کئی وزیر خانم جیسے کردار موجود ہیں جو ہمارے معاشرے کا المیہ ہے۔ وزیر خانم مارسٹن بلیک کی گھر کی مالکہ ہونے تک تو کچھ اختیارات تھے لیکن وہ رہتی پھر بھی ایک (رکھیل) ہی ہے۔ وزیر خانم کیلئے یہ بات بڑے اطمینان کی تھی کہ وہ مارسٹن بلیک کے حرم میں اکیلی ہی تھی۔ انگریز کسی عورت سے (مقامی) شادی یا نکاح کی کوئی رسم کے قائل نہ تھے۔ کسی عورت کو بیوی بنانے سے پہلے یا بعد میں صرف تحریری اطلاع دی جاتی تھی لیکن یہ پابندی صرف درمیانے درجے کے انگریزوں کیلئے تھی۔ بڑے انگریزی فوجی افسران کو اطلاع دینے کے بھی پابند نہ تھے(۶)

"ہندوستان چھوڑتے وقت یا اپنے وصیت نامے میں مقامی ہندوستانی عورتوں کے نام صرف کچھ نہ کچھ رقم یا جائیداد لکھ جاتے تھے۔"(۷)

برصغیر کا نو آبادیاتی نظام انگریزوں کا قائم کردہ تھا۔ اس میں ہر انگریز کو دو چار ہندوستانی مقامی عورتوں سے شادی کرنا معمولی بات تھی طوائفوں سے عارضی تعلق یا آنا جانا اس پر مستزاد تھا۔ مابعد نو آبادیاتی تناظر میں اس کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ برطانوی سامراج نے اپنی تہذیب و ثقافت مقامی باشندوں پر اس طرح مسلط کی کہ وہ برطانوی تہذیب سے مغلوب نظر آتے ہیں۔

مارسٹن بلیک ایک بلوائی حملے میں مارا گیا۔ اس کے بعد وزیر خانم کے بچوں اور گھر پر "مارسٹن بلیک" کے بھائی ٹنڈل اور ایبی گیل قبضہ کر لیتے ہیں۔ دونوں بہن بھائی کٹر نصرانی تھے وہ بھی پروٹوسینٹ، دوسرے مذاہب سے نفرت رکھنے والے، غریب اور غریبی کو بری نظر سے دیکھنے والے ان کے نزدیک اگر خدا تعالیٰ نے کسی کو غریب بنایا ہے تو اس کی بھی کوئی معقول وجہ ہو گی۔

"ان دونوں بہن بھائی کے نزدیک ہندوستانی نہ صرف رنگ کے کالے ہوتے ہیں اندر سے بھی اتنے ہی کالے ہیں۔ ان کی نجات بھی نہیں ہو سکتی۔"(۸)

"کئی چاند تھے سرِ آسماں" ناول کا جب مابعد نو آبادیاتی جائزہ لیتے ہیں۔ برطانوی نو آبادیاتی نظام کا مقصد مقامی باشندوں سے اس کی زبان کلچر مقامی ہندوستان کا رہن سہن سب کچھ ایک سوچے سمجھتے منصوبے کے تحت برطانوی نو آبادیاتی سامراج نے مغربی کلچر مغربی تہذیب مقامی باشندوں پر اس طرح مسلط کی کہ مقامی لوگ سامراج کی تہذیب و ثقافت ان کا لباس ان کی طرز بودوباش سے متاثر ہوئے ایسی تعلیمی پالیسی بنائی گئی۔ جس کے ذریعے انگریزوں کا مقصد ہندوستان میں کالے انگریز پیدا کرنا تھا۔ ان کا مقصد جو نسل کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہوں لیکن ان کی سوچ مغربی ہو جیسا انگریز چاہیں وہ بالکل ویسا ہی کام سرانجام دیں۔ اس کے پیچھے صرف ایک مقصد تھا برطانوی سامراجی نظام کو مستحکم کرنا۔ مابعد نو آبادیات میں نو آبادکار کے خفیہ مقاصد کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں جو کالج قائم کئے گئے۔ ان میں مورٹ ولیم کالج (۱۸۰۰ء) کلکتہ کالج ۱۸۱۷ء دہلی کالج وغیرہ اس کی ابتدائی مثالیں ہیں۔ ان اداروں سے نکلنے والے لوگ مقامی تہذیب و ثقافت زبان طرز زندگی سے زیادہ انگریزی کلچر کی نمائندگی کرتے قریب نظر آتے ہیں۔ انگریزوں نے اپنے نو آبادیاتی نظام کی ترویج کیلئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑوایا، ہندو مسلم فسادات کروائے "آپس میں لڑواؤ اور حکومت کرو انگریز کی سازش تھی اسی سازش کی کڑیاں اردو ہندی تنازعہ، سنگھٹن اور شدھی کی تحریکیں تھی۔ رسم الخط کی بنیاد پر زبان کو تقسیم کر دیا گیا۔

اگر انگریزوں سے پہلے ہندوستان کو دیکھا جائے تو ہندو مسلم دونوں قومیں اس طرح ایک دوسرے کی دشمن نہ تھیں جیسی ہمیں نو آبادیاتی ہندوستان کے بعد نظر آتیں ہیں۔ اسی مابعد نو آبادیاتی حوالے سے ہندوستان کی معروف مورخ "رومیلا تھاپر" جین مت اور سنسکرت کے کتبوں اور تحریروں سے ثابت کرتیں ہیں کہ سومنات کا مندر مسمار نہیں کیا گیا تھا۔

"سنسکرت کے کتبات سے کہیں مندر کی تباہی کا ذکر نہیں ملتا مندر کے قریب ایک مسجد کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ بت توڑنے اور مند کی تباہی کو انگریزوں کے دور میں پھیلایا گیا۔ ۱۸۴۲ء میں انگریزوں نے جب افغانستان پر حملہ کیا تو یہ باور کروایا گیا کہ وہ "سومناتھ مندر" کے دروازوں کو واپس لے کر آئیں گے جو محمود غزنوی اپنے ساتھ لے گیا تھا جب دروازوں کو

واپس لایا گیا تو پتہ چلا کہ یہ ہندوستان کے دست کاروں کے نہیں ہیں۔
دروازوں کو آگرہ کے ایک سٹور میں رکھ دیا گیا"(۹)

مابعد نو آبادیاتی حوالے سے تحقیق کی جاتی ہے تو تاریخ کے جھوٹ سے بھی پردہ اٹھتا ہے کہ کس طرح برطانوی سامراج نے اپنے نو آبادیاتی نظام کو مستحکم کرنے کیلئے جھوٹ کا سہارا لیا۔ مقامی باشندوں کو مغلوب بنانے کیلئے اپنی سامراجی سوچ قائم رکھی گئی۔

جن ملکوں میں نو آبادیات قائم کی گئیں ان کا مقصد ان ملکوں کے وسائل کو اپنے قبضے میں کرنا اور سیاسی غلبہ حاصل کرنا ہی نو آبادیات کا اولین مقصد تھا۔ فرانز فینن نے مابعد نو آبادیاتی حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ نو آبادیاتی چاہے ہندوستان میں ہوں یا امریکا ،الجزائر جہاں پر فرانس نے قبضہ کیا ہوا تھا مقامی باشندوں کی صورتحال ایک جیسی ہی نظر آتی ہے سویڈن صحافی ایک فرانسیسی کیمپ کا بتاتے ہوئے لکھتی ہے

"جہاں پر ہزاروں مقامی باشندوں کو جیل میں ڈالا گیا تھا" ان میں ایک بچے پر لوہے کی تار سے تشدد کیا تھا۔ اس بچے کی ماں کے ساتھ فرانسیسی فوجیوں نے جنسی زیادتی کی اس کے بھائی اور باپ کو قتل کر دیا گیا۔ فرانسیسی فوجی کرنل نے کئی دنوں تک بچے کو سونے نہ دیا کہ وہ اس واقعے کو بھلا نہ سکے۔ یہی اخبار نویس آگے چل کر لکھتی ہیں "میں نے بچے سے پوچھا تیری آرزو کیا ہے" اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا کہ "میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ میرے ہاتھ کوئی بدیسی فرانسیسی فوجی لگے تو میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں"۔(۱۰)

فینن کے بقول یہ لوگ مشرقی اقوام کو چاہے جتنی امداد دیں۔ سوشل ویلفیئر (N.G.Os) بنائیں ترقیاتی کاموں میں حصہ ڈالیں ان کی حقیقت ایک بھیڑیئے سے کم نہیں جو بھیڑ کی کھال میں چھپا ہوا ہے۔ "کئی چاند تھے سرآسماں" کی وزیر خانم "مارسٹن بلیک" کی موت کے بعد بے یارو مددگار ہو جاتی ہے تو نواب شمس الدین وزیر خانم کا سہارا بنتا ہے لیکن ولیم فریزر مقامی عورت وزیر خانم سے تعلق رکھنے کا خواہش مند ہے وہ کیونکہ نو آبادیاتی ہندوستان میں انگریز آفیسر ہے اس لیے وہ مقامی عورت (وزیر خانم) کو بھی اپنی جاگیر ہی سمجھتا ہے۔ وزیر خانم سے جسمانی تعلق کا خواہشمند ہے۔

''میں توقع نہیں رکھتا'' فریزر نے ٹیڑھی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''میں ارادے اور نتیجے
کی وحدت کا قائل ہوں''۔(۱۱)

وزیر خانم کیونکہ نو آبادیاتی حاکم کو سمجھ چکی ہے وہ مزاحمت کرتی ہے ولیم فریز کو کھری کھری سنا کے گھر سے نکال دیتی ہے۔ ولیم سے مکالمہ کے دوران کہتی ہے ''آئینے میں آپ نے اپنا منہ نہیں دیکھا ولیم فریزر اس انکار اور بے عزتی پہ آگ بگولا ہو جاتا ہے۔

''وزیر خانم'' کو دھمکی دیتا ہے کہ تمہیں اس انکار کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی۔ ''کئی چاند تھے سر آسماں'' کے کردار ولیم فریزر دولت اور رتبہ کے لحاظ سے حاکم ہے اس لیے مقامی عورت وزیر خانم کے حسن اور بدن کو کنٹرول کرنا اپنا حق سمجھتا ہے یہ اس کی ذہنی سوچ ہے کیونکہ ہندوستان کے تمام وسائل سفید فام کے تابع ہیں اس لیے وہ مقامی عورت کے بدن پر بھی دسترس چاہتا ہے۔

نو آبادیاتی حاکم ہونے کی وجہ سے کتنی ہی عورتوں کو اپنی جاگیر بنائے ہوئے ہے۔ استعمار کار شادی تو کسی ایک عورت سے کرتا ہے لیکن تعلق چاہے وہ کتنی ہی عورتوں (مقامی) سے رکھے اسے حق حاصل ہے۔ یہی نو آباد کار کی سوچ ہے اسی کے تحت وہ مقامی باشندے کا استحصال کرتا ہے۔

ژاں پال سارتر ''افتادگان خاک کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

''ہمیں بنجر دعاؤں اور مکروہ نقالی میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے۔ یورپ کو اپنے حال پر چھوڑ دو
لیکن جہاں بھی انہیں انسان نظر آتا ہے اسے قتل کر دیتے ہیں''(۱۲)

مابعد نو آبادیات سے یورپ کا وہ چہرہ ہمارے سامنے آتا ہے جو اصل میں بڑا بھیانک ہے وہاں کے لوگ انسانیت کے حق میں دعوے تو بڑے بڑے کرتے ہیں لیکن انہیں جہاں اپنا مفاد نظر آتا ہے۔ لوگوں کو قتل کرنے سے گریز نہیں کرتے اپنے سیاسی اور معاشی مفاد کیلئے یورپ نے صدیوں تک اپنی نو آبادیات قائم کر کے بے گناہ لوگوں کا خون بہایا ہے۔ سامراجی نظام نے جب اپنی نو آبادیات قائم کیں مقامی لوگوں کو غلام بنایا گیا۔ مقامی باشندوں کو ایک فاصلے پر رکھا گیا۔ مقامی باشندوں کے ملک کے تمام وسائل کو قابو میں کر کے بھوک و افلاس پیدا کی گئی تاکہ ان مقامی باشندوں میں بیماری، بھوک، ڈر، خوف کی وجہ سے کوئی ولولہ باقی نہ رہے۔ کسانوں کو کوڑے مار مار کر ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ نو آباد کار کیلئے فصلیں کاشت کریں اگر کوئی اس کے خلاف مزاحمت کرتا تو ''گولی'' اس کا مقدر تھی۔ ہندوستان کی اشیاء اجناس برطانیہ منتقل کی گئی اور مقامی باشندے قحط میں مارے گئے۔ مابعد نو آبادیاتی ہندوستان میں آج بھی پولیس کا کردار ویسا ہی ہے جیسا نو آباد کار نے اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کیلئے بنایا تھا۔ ہندوستان سے برطانوی سامراج کے جانے کے بعد بھی کیونکہ نو آبادیات نے

ایسا جاگیر دارانہ نظام قائم کیا گیا کہ آج بھی جو ممالک خاص طور پر برصغیر پاک وہند میں انگریزوں کے چلے جانے کے بعد بھی وہی صورتحال ہے۔امیر امیر تر ہوتا جارہا ہے اور غریب غریب تر کیونکہ ابھی تک نو آبادیاتی صورتحال سے باہر نہیں نکل سکے۔

وزیر خانم، نواب شمس الدین کے ساتھ منسلک ہے یہی بات ولیم فریز کیلئے تکلیف دہ ہے۔نواب شمس الدین کی جائیداد اس کے سوتیلے بھائیوں کو دلواتا ہے۔حالانکہ یہی ولیم فریزر جب نواب شمس الدین سے مطلب تھا اسے بھتیجا کہتا تھا۔بھرے بازار میں نواب شمس الدین کو رسوا کرتا ہے۔اس کی بہن جہانگیرہ کا نام لیکر نواب شمس الدین ایسی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔اپنے ایک خاص وفادار ملازم سے ولیم فریزر کا قتل کروادیتا ہے۔ ولیم فریزر کے قتل کے الزام میں نواب شمس الدین کو پھانسی دے دی جاتی ہے۔وزیر خانم نواب شمس الدین کے ایک بیٹے محمد ابراہیم عرف نواب مرزا کی ماں ہیں۔نواب شمس الدین کی موت کے بعد ایک بار پھر وزیر خانم بے آسرا و تنہا ہو جاتی ہے۔

"انیسویں صدی کے اوائل تک انگریز خود کو حکمران ذات کے طور پر منوا چکے تھے"۔(۱۳)

ہندوستان میں انگریزوں نے مقامی باشندوں سے خود کو الگ رکھا۔انہوں نے باہمی شادیاں کبھی نچلی ذات یعنی ہندوستانیوں کے ساتھ نہ کیں وہ مقامی باشندوں سے الگ اپنے بنگلوں میں رہتے تھے۔جنہیں "بلیک ٹاؤنز" کے نام سے جانا جاتا تھا۔وہاں عام مقامی باشندوں کا گزر تک نہ ہو سکتا تھا۔انہوں نے ہندوستان کو صرف ایک تجارتی منڈی خیال کیا۔یہاں سے تمام وسائل اپنے دور دراز ملک برطانیہ منتقل کرتے رہے۔ان کے بچے برطانوی پبلک سکولوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔مقامی ہندوستانیوں سے الگ ماحول میں رہے ان کے کپڑے ان کی کتابیں خریداری برطانیہ سے آتی رہی۔انگریزوں کا مقصد صرف ہندوستان کو لوٹ کر برطانیہ کو صنعتی ملک بنانا تھا۔ادھر ہندوستان سیاسی، معاشی اور صنعتی لحاظ سے کمزور ہو گیا۔ ہندوستان کی تہذیب و ثقافت شاہی حکمران جو صدیوں سے حکمرانی کرتے چلے آرہے تھے۔جب انگریزوں نے اس پر قبضہ کیا تو شاہی بادشاہوں اور نوابوں کو "حاشیے" پر دھکیل دیا گیا۔شمس رحمن فاروقی کے ناول "کئی چاند تھے سر آسماں" کے مابعد نو آبادیاتی مطالعہ سے نو آبادیات کی کئی جہات سے پردہ اٹھتا ہے۔

ہندوستان میں اگر نو آبادیاتی ہندوستان میں عدالتی نظام دیکھا جائے تو اس میں کھلا تضاد تھا۔مقامی ہندوستانی باشندے کیلئے الگ قانون تھا۔حاکم انگریز کیلئے الگ قانون نافذ تھا۔ایک خاص مقدمہ جو نو آبادیاتی ہندوستانی عدالتوں میں کثرت سے آتا ہے۔مقامی ہندوستانی ملازموں، نوکروں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ رویہ ہے۔

"ہندوستانی مقامی نوکر جس کی تلی، ملیریا یا دوسری بیماریوں کی وجہ سے بڑھی ہوئی ہوتی جب کوئی برطانوی آقا اپنے مقامی نوکر کو لات مارتا تو وہ تلی پھٹ جاتی جس سے اس مقامی باشندے کی موت واقع ہو جاتی۔ مقامی عدالتوں میں جب ایسے کیس جاتے تو انہیں صرف "عمدہ چوٹ پہنچانے" کا مجرم قرار دیا جاتا۔ یا بیس تیس روپے جرمانہ کی سزا دی جاتی"۔(۱۴)

لیکن اگر اسی نوعیت کا کیس برطانوی عدالتوں میں آتا تو ایسے مجرم کو پھانسی دی جاتی۔ اس سزا پر برطانیہ میں ایسے جرائم کی شرح کم ہو گئی۔ برطانوی ججوں کی طرف سے سنائی جانے والی سزائیں ہندوستانی مقامی باشندوں اور یورپی باشندوں کیلئے کبھی برابر نہ تھی کیونکہ وہ حاکم تھے اور مقامی باشندہ محکوم تھا۔ نوآبادیاتی قانون کی حکمرانی عام طور پر سفید فام آبادکاروں، اشرافیہ کے حق میں کام کرتی تھی

مابعد نوآبادیاتی صورت میں بھی قانون اور اس کا احترام صرف غریب عوام پر ہی لاگو ہوتا ہے جو صورت حال نوآبادیاتی ہندوستان میں پیدا کی گئی اب تقریباً وہی نظام رائج دکھائی دیتا ہے۔ غریب عوام کو کبھی انصاف نہیں ملتا اور طاقت ور اشرافیہ کھلے عام جو چاہے کرتی پھرے کیونکہ انگریزوں کے جانے کے بعد وہی لوگ اقتدار میں آئے جو نوآبادیاتی نظام ہی قائم رکھنے میں اپنے فوائد حاصل کر سکتے تھے۔ سیاسی طبقہ حاکم بن گیا اور غریب لوگ محکوم ہوتے چلے گئے جب مابعد نوآبادیاتی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ عام آدمی نوآبادکاروالی صورت حال میں مبتلا نظر آتا ہے۔ "کئی چاند تھے سر آسماں" کی وزیر خانم اب کی بار اپنے حالات اور مجبوریوں باعث مجبور ہے اسے سہارا دینے کیلئے مرزا تراب علی وزیر خانم سے باقاعدہ نکاح کرتا ہے۔ مرزا تراب علی وزیر خانم کو اپنے گھر میں ملکہ کا درجہ دیتا ہے کچھ عرصے بعد وزیر خانم کے ہاں ایک اور بیٹا شاہ محمد آغا کا جنم ہوتا ہے۔ مرزا تراب علی تجارت کی غرض سے جب سفر کرتے ہیں تو ٹھگوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ مرزا تراب علی کے بعد وزیر بیگم کی دنیا پھر اندھیر ہو جاتی ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے ہندوستان کی تہذیب و معاشرت اٹھارویں صدی کے ہندوستان کا پورا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ قاری خود کو اسی معاشرے اور حالات میں محسوس کرتا ہے۔ نوآبادیاتی ہندوستان کیونکہ اس دوران انگریزوں کے تسلط میں ہے۔ اس دور میں شاہی بادشاہت صرف قلعہ تک محدود تھی۔ انگریز ہندوستان کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر اور اس کا خاندان صرف قلعہ کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ لیکن مقامی ہندوستانیوں کے دل میں اب بھی انگریز سے زیادہ بادشاہ کی عزت تھی لیکن مغل بادشاہت اب آخری سانسیں لے رہی تھی۔

"حضرت ابو ظفر سراج الدین بہادر کے خرچ کس طرح پورے ہوتے تھے انگریزوں نے ان کا وظیفہ ایک لاکھ ماہانہ مقرر کیا تھا"۔(۱۵)

جب شمس الرحمن فاروقی کے ''کئی چاند تھے سر آسماں'' مابعد نو آبادیاتی حوالے سے دیکھتے ہیں تو وہ بادشاہ جو ہزار سال سے حکمران چلے آرہے تھے اب انگریز کے وظیفہ خوار ہو گئے۔ اب اپنے اخراجات پورے کرنے کیلئے انہیں نو آبادیاتی آقاؤں سے درخواست لکھنی پڑتی تھی کہ ان کا وظیفہ بڑھایا جائے۔

''ایک اندازے کے مطابق ۱۸۴۶ء میں صرف دہلی کے ٹیکس سے انگریزوں کو سینتالیس
لاکھ کی آمدنی حاصل ہوتی تھی''۔(۱۶)

لیکن برطانوی راج اتنا مضبوط ہو چکا تھا کہ اس رقم سے ایک ''دانگ'' بھی قلعہ شاہی تک نہ پہنچ پاتا تھا۔ ایک چھوٹی سے چھوٹی ریاست ہندوستانی کے برابر بھی ہندوستان کے بادشاہ کو اختیارات حاصل نہ تھے۔ ہندوستان کی عام دولت ہیرے جواہرات خام مال سب برطانیہ منتقل کیا جارہا تھا۔ بادشاہ وقت تک ایسے نظام کی چکی میں پسنے لگے۔ کہ ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند اس کی تصرف میں فوجداری کول ناول ''کئی چاند تھے سر آسماں'' میں ہر کردار بے چین اور مضطرب دیکھائی دیتا ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب دراصل محکوم ہندوستان کا ہے۔ جس میں برطانوی سامراج نے مقامی باشندوں کی زندگی اجیرن کردی ہے۔ بنگال صنعتی لحاظ سے جو کہ ایک کامیابی صوبہ تھا ۔ انگریزوں نے یہاں سے ایسی لوٹ مار کی کہ لوگ دو وقت کی روٹی کیلئے مرنے لگے۔ مقامی تاجروں کو بے روزگار کر دیا گیا۔ بنگال صنعتی اور معاشی دور پر زوال پذیر ہو گیا۔ انگریزوں نے اپنے نو آبادیاتی نظام کے مکمل کنٹرول کیلئے آرکاٹ، سورت اور مرشد آباد میں ایسے کارخانے بنائے جن میں ہندوستانی سکوں پر بادشاہ دہلی کی بجائے انگریز نو آبادکار ولیم چہارم کا نام اور چہرہ دیا گیا۔ ۱۸۴۰ء کے سکوں پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر دی گئی اب یہی سکے پورے ہندوستان میں کرنسی کے طور پر استعمال ہونے لگے۔

شمس الرحمن فاروقی نے وزیر خانم کے کردار کے ذریعے ہمیں نو آبادکار کے عزائم اور مقاصد تک اور ہندوستان کو اپنی کالونی بنا کے کس طرح مقامی باشندوں کا استحصال کیا ہے اور مقامی عورت تک کو اپنی جاگیر، سمجھا سب پردے کھلتے ہیں۔

ہندوستانی معاشرے میں عورت مرد کے سہارے جیتی ہے اسے زندگی گزارنے اور ہندوستانی معاشرے کے رہن سہن کے مطابق عورت شوہر کے بعد نامکمل ہے۔ وزیر خانم چار بچوں کی ماں ہونے کے باوجود اب بھی وزیر خانم کا حسن پہلے کی طرح شاداب ہے۔ اس بار مرزا فتح الملک عرف مرزا فخرو وزیر خانم سے شادی کا طلبگار ہے۔ وزیر خانم اپنے بیٹے نواب مرزا کے اصرار اور رضامندی سے مرزا فخرو سے شادی کرتی ہے۔ مرزا فخرو شعر وشاعری کا ذوق رکھتا ہے۔ وزیر بیگم شاہی محل میں بہو بیگم کا خطاب پاتی ہیں۔ مرزا فخرو وزیر خانم کو دل وجان سے چاہتے ہیں۔ نواب مرزا کی تعلیم وتربیت بھی شاہی محل میں ہونے لگتی ہے۔ وزیر خانم شاہی محل میں ایک طرح کے اطمینان میں نظر آتی ہیں کہ ان کے بیٹے کو بھی شاہی محل میں تسلیم کرلیا گیا ہے۔ خوش تھی۔ ادھر انگریزوں نے اپنی تمام سازشوں اور حکمت

عملیوں کے ذریعے ہندوستان سے شاہی محل اور بادشاہ کے نام تک باقی رکھنے کے حق میں نہیں تھے۔ برطانوی سامراج میں مغل بادشاہ جو کہ صرف نام کا تھا قابل قبول نہ تھا۔

نو آبادیاتی ہندوستان میں بادشاہی کی علامت لے دے کر اب صرف جمعے کے خطبے میں بادشاہ وقت کا نام نہ لیا جائے گا۔ اب حاکم وقت انگریز تھے یہ حکم بھی صادر کر دیا کہ خطبے میں بھی بادشاہ کا نام نہ کیا جائے گا۔ فتح الملک بہادر کو ولی عہد اس منصوبے کے تحت انگریزوں نے بنایا کہ اس کی موت کے بعد بادشاہت جو نام کی تھی اسے بھی ختم کر دیا جائے۔ شہر کے لوگ اس بات پر بھی خوش تھے کہ مرزا فخرو ایک خوش اخلاق انسان ہیں۔ ولی عہدی ان کیلئے اور لوگوں کیلئے خوش آئندہ ثابت ہو گئی۔ ۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے لکھنؤ کو اپنے زیر تسلط کر لیا لکھنو کے بادشاہ کو بڑی ایذیت سے معزول کر دیا گیا۔ برطانوی سامراج نے جو ریاستیں صرف نام کی حد تک بھی مقامی بادشاہوں کے پاس رہ گئیں تھیں۔ ان کا بھی صفایا کرنا شروع کر دیا۔ محکوم ہندوستان کے اثرات نہ صرف معاشی لحاظ سے تھے بلکہ اس نے ادب شاعری بلکہ پورے ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جب ہم اسے مابعد نو آبادیاتی حوالے سے دیکھتے ہیں تو ہماری ادبی اصناف جس میں شاعری سب سے اہم ہے۔ نو آبادیاتی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، مرزا غالب جیسا بڑا شاعر بھی ان اثرات سے نہ بچ سکا۔ سقوط اودھ کی ایک خبر مرزا غالب کے خط سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو مرزا غالب نے قدر بلگرامی کو ۲۳ فروری ۱۸۵۶ء کو لکھا۔

"تباہی ریاست اودھ نے باآنکہ بیگانہ ہوں، مجھ کو بھی افسردہ دل کر دیا بلکہ میں کہتا ہوں کہ
سخت ناانصاف ہیں وہ اہل ہند جو افسردہ دل نہ ہوئے ہوں گے۔ اللہ ہی اللہ ہے"۔(۱۷)

نو آبادیاتی ہندوستان میں جب کوئی وبا آتی یا مختلف وبائی امراض پھیلتے تو مقامی باشندے شدید اس سے متاثر ہوتے۔ اسی صورتحال کو "کئی چاند تھے سرآسماں" میں بھی دکھایا گیا ہے۔ جب دہلی میں ہیضے کی وبا پھیلی تو انگریز صاحبان تو اپنی جان بچا کر (دلی) شہر چھوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف بھاگ گئے۔ مقامی باشندے زندگی اور موت کی کشمکش میں رہے۔ حاکم تو ہر چیز پر دسترس رکھتا تھا۔ بیچاری عوام جو مقامی ہندوستانی تھے وہ بنیادی سہولیات سے محروم رکھے گئے۔ مقامی باشندوں کی رہائش الگ تھی اور انگریز صاحبان الگ "ٹاؤنز" میں رہائش پذیر تھے۔ جہاں پر عام ہندوستانیوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ نو آبادکار نے جہاں بھی اپنا اقتدار قائم کیا مقامی لوگوں کی زندگی موت سے بدتر ہو گئی۔ "وزیر خانم" کی پر مسرت زندگی پہلے کی طرح چند دن کی شاید مہماں تھی۔ مرزا فخرو کی طبیعت اچانک خراب ہوئی تو شاہی طبیب حکیم محمد حسن اللہ خان کو لایا گیا۔ مرزا فخرو کی طبیعت زیادہ خراب ہوتی گئی کوئی بھی دوا کارگر ثابت نہ ہوئی اسی تکلیف کے عالم میں فخرو میاں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وزیر خانم کا گھر ایک بار پھر اجڑ گیا وہ دیوانوں کی طرح ایک ایک سے کہتی کہ میرے مرزا فخرو کی نبض ذرا ٹھیک سے دیکھیں میرے صاحب عالم بے ہوش ہیں نہیں مر سکتے۔ البتہ زینت محل خوش تھی کہ اب میرے جواں بخت کو ولی عہد بننے سے

کوئی نہیں روک سکتا۔ زینت محل بہادر شاہ ظفر کی محبوب بیوی تھی۔ اس نے بادشاہ سے کمپنی انگریز کے نام خط لکھوایا کہ جواں بخت کی ولی عہدی کی منظوری دی جائے۔ یہ ایسی مابعد نو آبادیاتی صورتحال سامنے آئی ہے کہ ہزار سال ہندوستان پر حکمرانی کرنے والے اپنے ہی بیٹے کی ولی عہدی کیلئے سفارشی خط لکھنا پڑ رہا ہے۔ قسمت کی ستم ظریفی کہا جائے یا اپنی ہی سازش اور لالچ کا انجام کوئی بھی نام دیا جاسکتا ہے۔ انگریز حکمرانوں کو جواں بخت یا کسی بھی اور شہزادے کی ولی عہد اب قبول نہ تھی۔ کیونکہ ان کی سازش اب کامیابی ہو چکی تھی۔ ہندوستان ان کے قدموں میں تھا اب نام کی ولی عہدی کا دور بھی ختم ہو چکا تھا۔ زینت محل اب شاہی محل کی حاکم تھی کیونکہ بہادر شاہ ظفر اب بوڑھا ہو چکا تھا۔ وقت اور انگریزوں نے آخری مغل بادشاہ سے سب کچھ چھین لیا تھا اب ان کا زیادہ وقت شعر و شاعری میں گزرتا تھا کیونکہ اب کرنے کیلئے اور کوئی کام انگریز حاکموں نے چھوڑا نہ تھا۔ زینت محل وزیر بیگم سے کہتی ہے مجھے تمہارے بیوہ ہونے پر بڑا افسوس ہے لیکن تم تو ایسے سانحوں کی اب عادی ہو چکی ہو اس لیے فوراً تمہیں شاہی محل چھوڑنا ہو گا۔

> ''نو آبادیات ایک ایسا نظام ہے جس میں ایک طاقت ور ملک کمزور ریاست پر براہ راست اپنا عسکری، سیاسی اور ثقافتی تسلط قائم کرنا ہے''۔(۱۸)

یہی کچھ وزیر خانم کے ساتھ ہوتا دیکھائی دیتا ہے۔ یہاں بھی نو آبادیات کی شکل میں زینت محل وزیر خانم کو شاہی محل سے دربدر کرتی ہے۔ ناول ''کئی چاند تھے سر آسماں'' میں شمس الرحمن فاروقی نے انیسویں صدی کے ہندوستانی کا وہ کردار جو کہیں گم ہو چکا تھا۔ بیسویں صدی میں کھوج کر ان حقائق سی پردہ اٹھایا ہے۔ یہ کردار آج بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں صرف شکل بدلی ہے۔ شمس الرحمن نے ''کئی چاند تھے سر آسماں'' اس المیہ کی نشاندہی کی ہے اس عورت کی شناخت کی ہے۔

> ''مورخوں کے قلم کی بے راہ روی اور مردانہ تعصبات نے جنہیں مسخ کر رکھا ہے اور اولین سطح پر یہی بات اس ناول کو ایک ادبی متن بناتی ہے''۔(۱۹)

ایسی استعمار زدہ عورت کے کردار میں تلخ حقیقت، انیسویں صدی کے وہ حالات جن میں ہندوستانی ثقافت، اجڑتی ہوئی کلاسکیت ہمارے سامنے آتی ہے۔ ''کئی چاند تھے سر آسماں'' ہندوستان کی بدلتی ہوئی ثقافت اور مختلف رنگوں کی عکاسی کرتا ہے۔

ناول ''کئی چاند تھے سر آسماں'' جیسے ہی اختتام کی طرف بڑھتا ہے تو یہ اختتام جس میں وزیر خانم بدقسمت عورت کے طور پر اب بھی بے گھر ہو رہی ہے اسے پتہ نہیں کہ اب آگے کیا ہو گا۔ آگے کی دنیا کیسے رنگ دکھائے گی کچھ پتہ نہیں جب ہم اس کردار کو مابعد

نو آبادیاتی حوالے سے دیکھتے ہیں تو وزیر خانم کے کردار میں ہمیں ہر ہندوستانی مقامی باشندہ انگریز سامراجی نظام کے آگے بے بس نظر آتا ہے۔ جیسے وزیر خانم بے سمت سفر کر رہی تھی۔

ایسے ہی مقامی باشندے ہندوستان کے اصل وارث ہونے کے باوجود انگریز سامراج کے سامنے بے بس تھا یہی بے بسی اور مظالم آگے چل کر ۱۸۵۷ء میں بغاوت اور آزادی کا سبب بنتے ہیں لیکن وہ بھی کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انگریزوں کا قائم کردہ نو آبادیاتی نظام پوری طرح مستحکم ہو چکا تھا۔ مٹھی بھر لوگوں کے بغاوت کرنے سے جنگ نہیں جیتی جا سکتی تھی۔ مقامی لوگوں نے مزاحمت کرتے ہوئے انگریزوں کو جانی و مالی نقصان پہنچایا لیکن انگریزوں نے جلد ہی بغاوت پر قابو پا لیا تو اس کے بعد مقامی لوگوں اور شاہی خاندان کے ساتھ جو کچھ برطانوی سامراجی فوجیوں نے کیا تاریخ اسے نہیں بھولی۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بارے میں لیفٹیننٹ رابرٹس بیان کرتے ہیں۔

> ''جب ہم دلی شہر میں داخل ہوئے تو ہمیں دلی مردوں کا شہر دیکھا دیا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ایسے میں ہم کسی زندہ انسان کو نہ دیکھ سکے ہر طرف مردے ہی مردے دکھائی دے رہے تھے۔ رابرٹس لکھتے ہیں کہ ہم اتنے آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے گفتگو کرتے کہ کہیں ہماری آواز سے مردے چونک نہ پڑیں ایک طرف مردہ انسانوں کو کتے کھا رہے تھے اور دوسری طرف لاشوں کو گدھ نوچ رہے تھے ہمارے گھوڑے بھی ایسی وحشت سے ڈرتے تھے''۔(۲۰)

جب زینت محل کے کہنے پر وزیر خانم شاہی محل کو چھوڑ کر جانے لگیں تو مرزا مغل شہزادے نے کہا آپ کو اپنا حق لینا چاہیے وزیر خانم نے کہا کون سے حق کی بات کر رہے ہیں ساری زندگی حق ہی کی جو یا رہی ہوں مجھے اس دنیا میں کہیں حق اور انصاف ہوتا دکھائی نہیں دے رہا۔ اگلے دن وزیر خانم نے شاہی محل کو چھوڑ دیا اور نیا سفر شروع کیا۔

''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' انیسویں صدی کی ہند اسلامی تہذیب کا مرقع دکھائی دیتا ہے۔ مصنف نے تاریخ و ثقافت کو اتنی تفصیل اور وضاحت سے پیش کیا ہے۔ اس پورے زمانے کا نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ مابعد نو آبادیاتی حوالے سے دیکھا جائے تو شمس الرحمن فاروقی نے اکیسویں صدی میں ہمیں انگریز نو آبادکار کے تمام سازشی ذہن اور ہندوستان کے مقامی باشندوں خاص طور پر مقامی عورت کا استحصال واضح کیا ہے۔ ناول میں زبان و بیان کا خاص خیال رکھا گیا ہے واقعات اور زبان کا استعمال اٹھارویں صدی کی تہذیب اور معاشرت کی نمائندگی کرتا ہے۔ فاروقی صاحب نے زبان و بیان پر کافی محنت اور توجہ سے کام کیا ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں جو

زبان رائج تھی ناول میں ویسی ہی بیان کی گئی ہے۔ عربی زبان اور فارسی زبان کے فقرے اور محاوروں کو ویسے ہی استعمال کیا گیا ہے جیسے اس وقت دہلی کے گردونواح میں بولے جاتے تھے۔ نوآبادیاتی استعمار نے کس طرح ہندوستانی معاشرے کو اپنی نوآبادیاتی سوچ اور ہتھکنڈوں کے ذریعے اپنا غلام بنائے رکھا، ناول نگار ۱۸۵۶ء تک کے حالات واقعات کو بڑی تفصیل سے دکھاتا ہے۔ سامراجی نظام نے کس طرح مقامی باشندوں کی تہذیب ان کا کلچر اپنے سیاسی اور معاشی مفادات کی خاطر تہس نہس کر دیا۔ ''کئی چاند تھے سرآسماں'' میں شمس الرحمن فاروقی نے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ مابعد نوآبادیات میں ہمیں ہندوستان میں آج بھی وہ اثرات ملتے ہیں۔ استعمار کانے اپنے مفاد کیلئے بنائے تھے۔ مابعد نوآبادیات میں ایڈورڈ سعید، فرانز فینن، البرٹ میمی جیسے مفکروں نے یورپ کے عزائم سے پردہ اٹھایا ہے اور مشرق کو یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ ایشیائی عوام کو چاہیے کہ وہ اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنی روایات کا مطالعہ خود کریں۔ اپنی ثقافت کو اعلیٰ جانیں اپنے حالات خود بہتر کریں۔ مغرب نے مشرق کو جو تصویر دکھائی جاتی ہے ان کے پیچھے یورپ کے اپنے مقاصد پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ایڈورڈ سعید نے مغرب میں بیٹھ کر مشرق کا مقدمہ لڑا ہے۔ فینن کا کہنا ہے یورپ کے ماضی میں اپنی نوآبادیات قائم کر کے مقامی لوگوں کی شناخت کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مقامی لوگوں کو محکوم بنا کر ان کے وسائل پر قبضہ کیا ہے۔ ناول ''کئی چاند تھے سرآسماں'' مابعد نوآبادیاتی حوالے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مقامی باشندوں کو قابو میں رکھنے کیلئے جو نظام انگریز قائم کیا تھا۔ آج بھی کسی نہ کسی صورت میں اس کی شکل باقی ہے۔ ہم پر جو نوآبادیاتی حکمرانوں نے قانون نافذ کیے تھے آج بھی ترقی پذیر ایشیائی ممالک میں وہی رائج ہیں۔ مغربی کلچر، مصنوعات اس طرح برصغیر پاک وہند کی معاشرت پر مسلط ہیں کہ معاشرہ مختلف طبقات میں بٹ چکا ہے۔

اعلیٰ طبقہ اپنی رہائش، لباس، خوراک حتیٰ کہ علاج تک کیلئے یورپ کا انتخاب کرتا ہے جبکہ غریب عوام کو دووقت کی روٹی ملنا مشکل ہے۔ ایک طرف دنیا کو گلوبل ویلیج بنادیا گیا ہے اور دوسری طرف ترقی پذیر ممالک میں لوگوں کو بنیادی طبی سہولیات تک میسر نہیں نوآبادیاتی نظام میں ہندوستان کو جب آزاد کیا گیا تو تقسیم مغربی آقا کچھ اس طرح کر گئے کہ ہندو اور مسلمان جو صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے تھے اب ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آتے ہیں۔ وزیر خانم کی زندگی اور برصغیر پاک وہند کے حالات ایک سے نظر آتے ہیں جس طرح ناول میں وزیر خانم اپنا گھر ہوتے ہوئے بھی بے گھر ہے۔ یہی صورتحال فاروقی نے مشرقی اقوام کی دکھائی ہے۔ وزیر خانم کا المیہ ہر مشرقی ترقی پذیر ملک کا المیہ نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

١ بیگم سفینہ، اردو ناول نظری و عملی تنقید، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ٢٠٢٢ء، ص ٢٢٢

٢ شمس الرحمن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں، لاہور: عکس پبلی کیشنز ٢٠٢١ء، ص ١٧۵

٣ فرانز فینن، سامراج کی موت، مترجم خالد محمود ایڈووکیٹ، لاہور: گلشن ہاؤس ٢٠١٧ء، ص ۵٣

۴ شمس الرحمن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں محولہ بالا، ص ١٨۵

۵ محمد آصف ڈاکٹر، اقبال اور نیا نو آبادیاتی نظام، لاہور: فکشن ہاؤس ٢٠١٩ء، ص ٢٠

٦ شمس الرحمن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں، محولہ بالا، ص ١٧٦

٧ ایضاً، ص ١٧٦

٨ ایضاً، ص ١٨٨

٩ مبارک علی ڈاکٹر، عہدِ وسطیٰ کا ہندوستان، لاہور: فکشن ہاؤس ٢٠١٨ء، ص ٣٣

١٠ فرانز فینن، سامراج کی موت، مترجم خالد محمود ایڈووکیٹ، لاہور: فکشن ہاؤس ٢٠١٧ء، ص ٣۴

١١ شمس الرحمن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں، محولہ بالا ص ٣٧٦

١٢ فرانز فینن، افتادگانِ خاک، مترجم محمد پرویز، محمد سجاد باقر رضوی، لاہور: فکشن ہاؤس، ٢٠٢٢ء، ص ٨

١٣ ششی تھرور، سامراجی حکومت کی داستان، مترجم سجاد احمد سجاد، لاہور: بک سٹی، ٢٠٢٢ء، ص ٩۴

١۴ ایضاً، ص ١٣٣

١۵ شمس الرحمن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں، محولہ بالا ص ٩٧٧

١٦ ایضاً، ص ٧٨٠

۱۷ ایضاً، ص۷۹۹

۱۸ ریاض ہمدانی ڈاکٹر، اردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ، لاہور: فکشن ہاؤس ۲۰۱۸ء، ص ۴۰

۱۹ فرخ ندیم، کئی چاند تھے سر آسماں، ثقافتی اور مابعد نو آبادیاتی تعبیر، مشمولہ نو آبادیات و مابعد نو آبادیات (نظریہ، تاریخ، اطلاق)
، مرتب، محمد عامر سہیل، لاہور: عکس پبلی کیشنز ۲۰۱۹ء، ص ۳۷۷

۲۰ باری علیگ، کمپنی کی حکومت، لاہور: حق پبلی کیشنز ۲۰۱۸ء، ص ۲۰۳